File 9/02
10

سلسلۂ اشاعت امامیہ مشن پاکستان رجسٹرڈ لاہور ۲۲

شیعیت کا تعارف

(دوسرا ایڈیشن)

HABIB ELECTRIC TRADING CO.

MAAB 1431

از قلم حقیقت رقم

سرکار سید العلماء علامہ الحاج سید علی نقی النقوی

مجتہد العصر مدظلہ

قیمت ۵ آنے

مرکز احیاء آثار برصغیر
maablib.org

امامیہ مشن پاکستان

کا رسالہ ۲۲ "شیعیت کا تعارف" ناگوار فریضہ کی حیثیت سے شائع کیا گیا تھا جسے بہت پسند کیا گیا، چنانچہ اس کا پہلا ایڈیشن ہاتھوں ہاتھ بک گیا۔ اب دوسرا ایڈیشن شائع کرنے کی سعادت حاصل کی جا رہی ہے۔

شیعہ کوئی نیا فرقہ نہیں ہے بلکہ اسلام ہی کا نام شیعیت ہے۔ یہی وہ مسلک ہے جو اسلام کے دینِ کامل ہونے کی واحد دلیل ہے۔

شیعہ عقائد و نظریات کی عقلی و علمی عظمت، روحانی برتری اور استدلالی قوت سے مرعوب ہو کر تنگ نظر مخالف اپنی علمی کمتری اور استدلالی کمزوری کو چھپانے کے لیے بعض عنادے نہایت لچر، بے بنیاد اور بیہودہ اتہامات شیعوں کی طرف منسوب کر کے عوام کو گمراہ کرتے ہیں۔

علماء سوء کے اس طرزِ عمل کی شکایت کچھ ہم ہی کو نہیں بلکہ اس کی شکایت ان کی ہم عقیدہ سابق جماعت اسلامی کے فعال اور خادمِ اسلام لوگوں کو بھی ہے۔ چنانچہ جناب نعیم صدیقی جولائی ۱۹۵۱ء کے ترجمان القرآن صفحہ ۸ پر خونِ جگر پیتے ہوئے فرماتے ہیں:

"ان حضرات کے فتووں کو پڑھیے تو وہ خیالات و کلمات مولانا مودودی اور ان کے ساتھیوں جماعتِ اسلامی سے منسوب ہوتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں جن کی توقع کسی ادنیٰ درجے کے مسلمان سے بھی نہیں کی جا سکتی۔ الّا یہ کہ وہ پاگل ہو گیا ہو۔ مگر بڑی بڑی ذمہ دار ہستیاں ہیں جو آنکھوں پر پٹی باندھ کر اور کانوں میں روئی ٹھونس کر ایک شخص اور ایک جماعت کے بارے میں وہ باتیں کہتے ہیں جن کی سرے سے کوئی بنیاد ہی نہیں۔ وہ شخص اور وہ جماعت لاکھ انکار کریں کہ ہم پر ان خیالات و کلمات کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے، ہمارے بعض مفتیانِ کرام کو اصرار ہے کہ یہی ان باتوں کے لازماً ذمہ دار ہوں۔ حوالہ نہیں ملتا تو عبارتوں میں قطع و برید کر کے اور بسا اوقات اپنی طرف سے الفاظ بڑھا کر بھی اور بدل کر بھی ایک ان کہی زبردستی کسی کے سر تھوپی جاتی ہے پھر ان فتویٰ طرازیوں میں جس طرح ادنیٰ جذبات اور جس ڈھنگ کی گھٹیا زبان استعمال کی

جاتی ہے اور جس عجیب و غریب فنی داؤ پیچوں سے کام لیا جاتا ہے، ان کو دیکھ کر شرافت کا سر مارے ندامت کے جھک جاتا ہے۔ فتووں کے اس گرد و غبار میں بیچارے عوام پریشان ہو کر سوچتے ہیں کہ اصل حقیقت کیا ہے۔"

جب جماعت اسلامی اور مولانا مودودی جیسے علمی کارناموں کا ہند و پاکستان کے سنی علماء میں جواب نہیں، یہ طرزِ عمل ہے تو پھر شیعوں کے خلاف ان کی محبت کا اندازہ کرنا مشکل نہیں ہے۔

مثلاً ہم ایک فتویٰ پیش کرتے ہیں جو ملک کے نامور اور ذمہ دار لوگوں نے ملک کی سب سے بڑی عدالت ہائی کورٹ کے ججوں کے سامنے پیش کیا۔ اور جس پر ایشیا کے سب سے بڑے سنی دار العلوم دیوبند کے تمام اساتذہ کے دستخط ثبت ہیں۔ اسکو پڑھ کر ہر شریف انسان ان لوگوں پر نفرین کریگا جب اسکو یہ معلوم ہوگا کہ اس فردِ جرم میں جو الزام لگائے گئے ہیں۔ ان میں ایک بھی سچا نہیں ہے۔ دیکھو نمبر ۱۔

"جب دیوبندیوں کا ایک فتویٰ (EX.D.E.13) جس میں اثنا عشری شیعوں کو کافر و مرتد قرار دیا گیا ہے۔ عدالت میں پیش ہوا تو کہا گیا کہ یہ اصلی نہیں بلکہ مصنوعی ہے۔ لیکن جب مفتی محمد شفیع نے اس امر کے متعلق دیوبند سے استفسار کیا تو اس دار العلوم کے دفتر سے اس فتویٰ کی ایک نقل موصول ہوگئی جس پر دار العلوم کے تمام اساتذہ کے دستخط ثبت تھے اور ان میں مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی (سابق ممبر بورڈ تعلیمات اسلامی ملحقہ دستور ساز اسمبلی پاکستان) کے دستخط بھی شامل تھے۔ اس فتویٰ میں لکھا ہے کہ جو لوگ حضرت صدیق اکبر کی صحابیت پر ایمان نہیں رکھتے۔ جو لوگ حضرت عائشہ صدیقہ کے قاذف ہیں اور جو لوگ قرآن میں تحریف کے مرتکب ہوئے ہیں وہ کافر ہیں۔ مسٹر ابراہیم علی چشتی نے بھی جنہوں نے مطالعہ کیا ہے اور اپنے مضمون سے باخبر ہیں اس رائے کی تائید کی ہے۔ ان کے نزدیک شیعہ اپنے اس عقیدے کی وجہ سے کافر ہیں۔ کہ حضرت علیؑ نبوت میں ہمارے رسولِ پاک کے شریک تھے۔" (سرکاری رپورٹ تحقیقاتی عدالت برائے تحقیقات فسادات پنجاب بابت ۱۹۵۳ء صفحہ ۲۳۶)

اسکو پڑھ کر سکھا شاہی کا وہ روایتی حکم یاد آجائیگا کہ اگر تم قصور نہ کروگے تو ہم سزا بھی نہ دینگے یا مسلمانوں کی تاریخ سیاہ کا وہ شاہی کردار یاد آجائیگا جس نے کہا تھا کہ "معاویہ کی حکومت کے ۷ ہزار منبروں پہ جمعہ کے دن جس ابو تراب علیؑ پر "سب و لعن" ہوتی ہے وہ ملک عرب کا ایک ڈاکو تھا۔

علماء دیو بند نے اس قسم کے تجربہ زا واقعات میں علمی اضافہ فرما کر لغات الجاہلین کا ایک باب بڑھا دیا ہے۔ لگے ہاتھوں اخبار اہلحدیث کا ایک اقتباس بھی دیکھتے چلیے جس میں شیعیت کے اصول و فروع گنوائے ہیں۔ "آج شیعیت کی جتنی شکلیں ہمارے سامنے ہیں ان کے اصول مذہبی متفقہ طور پر توحید، رسالت، امامت، عدالت، تولا، تبرا ہیں اور نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، خمس، عشر کو فروعات کا درجہ دیا ہے۔ مگر اہل سنت کی جتنی شکلیں ہمارے سامنے ہیں ان کے اصولیات توحید، نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج ہیں (ہفت روزہ اہلحدیث مجریہ ۱۸ اپریل ۱۹۶۲ء)

بحث اس سے نہیں کہ یہ لوگ اصول اور فروع میں فرق نہیں جانتے۔ شکایت اس کی ہے کہ ہمارے اصول و فروع جو ہمارے توتلی زبان کے بچوں تک کو ازبر ہیں یہ لوگ اس کے متعلق بھی خیانت سے باز نہیں آتے۔ کیا یہ عدم واقفیت ہے یا تجاہل عارفانہ ہے یا شیطانی مکاری۔ جب اہل علم کا یہ حال ہے تو عوام بیچارے کس شمار میں ہیں۔ جن میں یہ مشہور ہے کہ شیعوں میں حافظ قرآن نہیں ہو سکتا۔ یہ لوگ مردے کو گز کرتے ہیں۔ اصحاب رسولؐ کو نہیں مانتے، جھوٹ انکا مذہب ہے۔ متعہ کو زنا سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور اسی قسم کے اور خرافات جن کو سن کر تہذیب و شرافت، علم و تحقیق ندامت سے سر جھکا لیتے ہیں۔

اے شیعیانِ حیدرِ کرارؑ کیا تمہارا فرض نہیں کہ اپنے پاکیزہ دین پر تہمت تراشیوں کی سازش کو ناکام کرنے کے لیے اپنے صحیح عقائد کی تبلیغ پر زور دو۔ اس کتابچہ کی توسیع اشاعت پر افرادِ ملت کو خاص توجہ دینی چاہیے۔

وما علینا الا البلاغ

جنرل سیکرٹری امامیہ مشن پاکستان رجسٹرڈ اردو بازار لاہور نمبر ۲

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ علیٰ سید الانبیاء والمرسلین

والہ الطیبین الطاہرین

چونکہ شیعی دعوت، شیعی مذہب اور فرقۂ شیعہ کے متعلق بہت غلط فہمیاں پھیلی ہوئی ہیں اور بہت سے افراد نیک نیتی کے باوجود ناواقفیت کی بنا پر تاریکی میں مبتلا ہیں اس لیے یہ رسالہ حقیقت امر کو بے نقاب کرنے کے لیے لکھا جا رہا ہے۔ تاکہ نیک دل اشخاص سنجیدگی کے ساتھ اس پر غور کریں اور مخالفت بھی کرنا چاہیں تو سمجھ کر مخالفت کریں۔

لیھلک من ھلک عن بینۃ ویحییٰ من حیّ عن بینۃ

شیعی دعوت کیا ہے؟

شیعی دعوت کوئی نئی چیز نہیں ہے، وہ وہی اسلام ہے جس کے لیے انبیاءؑ کی دعوت رہی، کتب سماوی کی دعوت رہی، جو پیغمبر اسلامؐ کی حقیقی دعوت تھی اور قرآن کی حقیقی دعوت تھی۔

یہی وہ دعوت تھی جس کی خاطر انبیاء و مرسلین نے زحمتیں اٹھائیں۔ حضرت خاتم المرسلینؐ نے جس کی وجہ سے ایذائیں سہیں اور قربانیاں پیش کیں۔

اس دعوت کے محافظ رسولؐ کے بعد آلِ رسولؐ رہے اور چونکہ شیعہ کے معنی عربی میں متبعین اور پیروؤں کی جماعت کے ہیں اس لیے جو اس دعوت کی اصل حقیقت پر برقرار رہے "شیعۂ آلِ رسولؐ یا شیعۂ علیؑ" کہلائے۔

اسلام کے معنی

اسلام کے معنی لغت میں دو ہیں۔ ایک سر نہادن اطاعت یعنی اللہ کے سامنے اطاعت کے لیے سر جھکا دینا اور دوسرے "سپردن" یعنی اپنے کو اللہ کے سپرد کر دینا۔

ان دونوں کا نتیجہ یہی ہے کہ اللہ کی مرضی کے مقابلہ میں انسان کا حق خود ارادی خواہ شخصی ہو یا جمہوری کوئی چیز نہیں ہے۔ حاکم مطلق صرف اللہ ہے اور جسے وہ اپنا نائب بنائے صرف اس کی اطاعت انسان کے لیے فرض ہے اس کے مقابلہ میں کوئی دوسرا حقِ حکومت نہیں رکھتا اور جو حکومت اس کے مقابلہ میں قائم ہو وہ حکومت ناجائز ہے۔

یہی اسلام ہے اور اسی کا نام شیعیت ہے۔

حکومتِ الٰہیہ کی بُنیاد

اور

انبیاء و مرسلین کا مشن

کائناتِ عالم میں ہر شے خالقِ فطرت کی مرضی کے مطابق چل رہی ہے یہ فطری اسلام ہے جس سے عالم کا کوئی ذرہ خارج نہیں ہے۔ انسان بھی کائناتِ عالم کا ایک جز ہونے کے اعتبار سے اپنے

نظامِ تخلیق اور نشو ونما میں کم سنی سے لے کر جوانی اور بڑھاپے کی منزلوں سے گزرتا ہوا موت کے ہنگام تک اس دنیا کی تمام چیزوں کے ایک قہری تحریک کی پابندی کرتا ہوا چلا جاتا ہے اور اس میں مومن اور کافر کا فرق نہیں ہے مگر انسان میں اس کے شایانِ شان امتیاز کو نمایاں کرنے کے لیے ایک ارادہ و اختیار کا جوہر ودیعت کیا گیا ہے اور اس کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ اس اختیار کی بدولت کبھی کبھی احکامِ خدا سے سرتابی کرنے کی قدرت رکھتا ہے۔ یہاں اللہ کی مرضی اس کے سامنے تعلیمات کی شکل میں آتی ہے اور اگر وہ ان تعلیمات کو قبول کرتا اور ان پر عمل پیرا ہوتا ہے۔ تو مومن اور نیکوکار قرار پاتا۔ اور اگر ان احکام سے انکار کرتا اور ان کی تعمیل میں غفلت برتتا ہے تو کافر اور گناہگار ٹھہرتا ہے۔ انبیاء و مرسلین آئے تھے انسانوں کو انہی تعلیمات کے پہنچانے کے لیے اور مقصد یہ تھا کہ انسان خود اختیاری طور پر بھی اسی کی حکومت کو تسلیم کر لے جس کی قہری طور پر وہ اپنے نظامِ فطرت میں اطاعت کرتا ہی ہے۔ یعنی اس کی اختیاری کارگذاری اس کے فطری نظامِ زندگی کے مطابق ہو جائے۔ اس کے نظامِ حیات میں یہ دو عملی نہ ہو کہ فطری طور پر تو وہ اللہ کا محکوم ہے اور ارادی طور پر وہ اپنے امکان بھر کسی دوسرے کا محکوم ہو یا خود اپنی جگہ حاکم بن بیٹھے۔ اسی کا نام وہ اسلام ہے جسے انبیاء لے کر آئے۔ ان کا نصب العین تھا انسانوں کو حکومتِ الٰہیہ کا احساس پیدا کرانا ارادی طور پر اس کے وفادار رعایا ہونے کا اقرار لینا اور اس کے عملی تقاضوں کو پورا کرنا۔

اس کے مقابلہ میں حاکم بننے والے وہی تھے جو خدائی کے دعویدار ہوئے جیسے فرعون، نمرود اور شداد اور اللہ کے سامنے دوسروں کی اطاعت کرنے والے ان سلاطین کی رعایا وہ عوام تھے جو انہیں خدا مان رہے تھے۔

یہ زعمِ خدائی کبھی الفاظ کے قالب میں آ گیا۔ اور کبھی زبان سے تو خدائی کا دعویٰ نہیں کیا گیا۔ مگر اس کے احکام کے مقابلہ میں مطلق العنانی اور سرکشی کے عملی مظاہرات اسی زعم کی غمازی کرتے رہے اور باطل جبروت کی اندھادھند نمائشیں اپنے پس منظر میں زعمِ خدائی ہی کا پتہ دیتی رہیں۔

انبیاء و مرسلین کی تمام جنگ ایسے ہی خدایانِ باطل اور ان کے پرستاروں سے رہی۔ ہمیشہ لڑائی اسی کی تھی کہ انبیاء چاہتے تھے کہ دنیا حکومتِ الٰہیہ کے سامنے سر جھکا دے اور غلط طاقتوں کے علمبردار اس حکومت کے ماننے سے انکار کرتے تھے۔

شاہی شہنشاہی اور جمہوریت جتنی قسم کی حکومتیں سیاسی دنیا میں مروّج ہیں ان سب کی بنیاد انسانوں پر خود انسانوں کی حکومت کا تخیل ہے یہ حکومت ایک فرد کی ہو یا بہت سے افراد کی ملا کر۔ بہرحال اس خداوندی حق اقتدار کے خلاف ہے جس کے قائم کرنے کا اسلام علمبردار ہے۔

اس بارے میں اگر افرادِ انسانی کا اجماع اور شوریٰ کوئی وزن رکھتا ہو تو یاد رکھنا چاہیے کہ ہر نبی اور رسول کے مقابلہ میں اس وقت کے خطاکار انسانوں کا ہمیشہ ایسا زبردست اجماع رہا جس سے بڑھ کر مشکل ہی سے کوئی اجماع بنایا جا سکتا ہے۔ اگر انسانوں کی اکثریت کا کسی امر پر متفق ہو جانا حقانیت کی دلیل ہوتا تو انبیاء کی نبوتیں اور مرسلین کی رسالتیں سب بے حقیقت ہو جاتیں۔ انبیاء کا تو کام ہی یہ تھا کہ وہ غلط اجماعوں کو اپنی ہدایت سے شکست دیں۔ اکثریت کے طلسم کو توڑیں اور اس حقیقت سے روشناس بنائیں۔ جو جمہور کی نگاہ سے اوجھل ہے۔

حاکمِ حقیقی خود ساختہ یا دم ساختہ حاکموں کا تصادم ہی تھا جو خلقتِ آدم کے بعد سے برابر اسلام اور کفر کی صورت میں نمودار رہا۔

یہ اسلام اور کفر کی جنگ حقیقت میں آزادی اور غلامی کی جنگ تھی غلامی ناجائز دباؤ کی چاہے وہ نفسانی خواہشیں کیوں نہ ہوں کہ اس میں بھی انسان کا ضمیر محسوس کرتا ہے کہ میں غلط کر رہا ہوں مگر ہوا و ہوس کی قوت سے اپنے کو مجبور سمجھتا ہے۔ یہ فعل اس کا آزادی کے ماتحت نہیں۔ بلکہ گرفتاری کے نتیجہ میں ہوتا ہے۔ پھر اس کے آگے طاقت کی غلامی، اکثریت کے دباؤ کی غلامی، تیر و تفنگ کے ڈر سے، فوج و لشکر کے دباؤ سے اور قید و بند کی دہشت سے کسی غلبہ و اقتدار کی غلامی، اسلام ظاہر میں اللہ کی بندگی کی دعوت دیتا تھا۔ مگر اس اللہ کی بندگی کے پسِ پشت اس قسم کے ہر دباؤ سے آزادی تھی جو انسانی ضمیر کو راہِ راست کے خلاف چلنے پر مجبور کرے۔ خواہ وہ ایک فرد کی حکومت ہو یا بہت سوں کی یا اپنے نفسانی خواہشات کی۔ اسلام ان سب سے آزادی کا پیغام ہے۔ وہ ضمیر کی حریت کا نام ہے، جس میں قانون صرف

عدل و اعتدال، نیکی اور فلاح و صلاحِ عام کے اسباب کی ذمہ داری ہے۔ یہاں کوئی تخت و تاج اور حشم و خدم کا مالک، بھاری بھرکم تن و توش رکھنے والا پیش نظر نہیں ہوتا۔ جو ضمیر کو مجبور کر کے اس ضمیر کے تقاضے کے خلاف اپنی اطاعت کرائے۔ بلکہ احساسات کے حدود سے باہر ایک ان دیکھی طاقت ہے، جو انسان کو ہر اچھائی کی تحریک کرتی اور ہر برائی سے روکتی ہے۔ جس کا ایک ترجمان خود ہر ایک کا عقل و ضمیر ہے اور جس کے احکام ہمیشہ اس ضمیر کی آواز کے مطابق ہوتے ہیں۔ "یہ حکم اللہ ہوتا ہے" اور اس کا قانون وہ ہے جسے قرآن نے جامع الفاظ میں اس طرح بتایا ہے کہ اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِیْتَآءِ ذِی الْقُرْبٰی وَیَنْهٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ وَالْبَغْیِ یَعِظُکُمْ لَعَلَّکُمْ تَذَکَّرُوْنَ "اللہ کا فرمان عدل ہے اور احسان اور جس جس سے بھی رشتہ ہو اس کے تقاضوں کا پورا کرنا اور ممانعت ہے ہر بے اعتدالی بدی اور سیاہ کاری سے"۔

انبیاء و مرسلین صرف اسی حکومتِ عدل کے احکام کی ترجمانی کرتے تھے انہوں نے خود کبھی اپنے کو حاکم نہیں کہا۔ اور اسی لیے انبیاء کیلئے یہ ضروری ہوا کہ وہ جذبات سے بری اور ہوا و ہوس کی قید سے آزاد ہوں۔ ایسے ہی انسان کو معصوم کہتے ہیں۔ اس لیے کہ اگر وہ شخص خود نفسانیت میں گرفتار رہا تو وہ خلائق کو اس آزادی سے متعارف نہیں بنا سکتا۔ جو اسلام کا حقیقی نصب العین ہے۔ پھر ممکن ہے کہ وہ خود حاکم ہونے کا خواب

دیکھنے لگے اور اس طرح دنیا کو اللہ کے بجائے خود اپنے سامنے سر جھکانے کی دعوت دے۔ قرآن نے صاف الفاظ میں اس خطرہ کا اظہار کیا ہے اور یہ بتایا ہے کہ اللہ کے فرستادہ نبی اور رسول اس سے بری ہوتے ہیں کہ وہ خلائق کو اللہ سے ہٹا کر خود اپنا غلام بنانے کی کوشش کریں۔ مَا کَانَ لِبَشَرٍ اَنْ یُّؤْتِیَهُ اللّٰہُ الْکِتٰبَ وَالْحُکْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ یَقُوْلَ لِلنَّاسِ کُوْنُوْا عِبَادًا لِّیْ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ وَلٰکِنْ کُوْنُوْا رَبّٰنِیّٖنَ بِمَا کُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْکِتٰبَ وَبِمَا کُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ (آلِ عمران)

بلاشبہ جب حاکم غیر معصوم یعنی ہوا و ہوس میں گرفتار ہوگا تو اس سے یہ خطرہ ہمیشہ لگا رہے گا اور ایسے حاکم کو تسلیم کرنا الٰہی حکومت کے تقاضوں کے خلاف ہوگا۔

خداوندی آمریت کیلئے خدا اور رسولؐ کے اعلانات

انسان کی انسان پر جس طرح کی بھی حکومت ہو، خواہ آمریت، خواہ جمہوریت سب غلط ہے۔ انسان پر آمریت حاصل ہے تو صرف اللہ کو اس کا اس کتابِ محکم میں جو پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل کی گئی بار بار اعلان ہوا۔ یہ قرآن کی آیات اتنی واضح اور صاف ہیں کہ ان میں کسی تاویل کی گنجائش نہیں ہے۔

ارشاد ہوا لَہُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ خلق کرنا بھی اللہ کا کام ہے

اور آمریت بھی اسی سے مخصوص ہے" اس کے مقابلہ میں انسان کی کسی طرح کی خود مختاری اور خود رائی نہ انفرادی اور نہ شورائی درست ہے۔ ارشاد ہوا ہے:-

وما کان لمؤمن ولا مؤمنة اذا قضی اللہ ورسولہ امرا ان یکون لھم الخیرة من امرھم ومن یعص اللہ ورسولہ فقد ضل ضلالا مبینا (احزاب)

کسی ایماندار مرد یا عورت کو یہ حق نہیں کہ جب اللہ اور رسولؐ کسی بات کا فیصلہ کر دیں تو پھر انہیں اپنے معاملہ میں کچھ بھی اختیار حاصل ہو اور جو اللہ اور اس کے رسولؐ کی نافرمانی کریگا وہ کھلی ہوئی گمراہی میں مبتلا ہوگا۔

یہاں تک کہ رسولؐ کی بھی اطاعت کا حکم ہوا تو یہ کہہ دیا گیا۔ کہ

مَنْ یُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ اَطَاعَ اللہ (آل عمران)

جس نے رسولؐ کی اطاعت کی اس نے حقیقتاً اللہ کی اطاعت کی۔

یعنی رسولؐ کی بھی حکومت اللہ کے مقابلہ میں نہیں ہے۔ بلکہ اس کی جانب سے بحیثیت نائب ہے۔ یہ صرف اس لیے کہ مسلمانوں کے ذہن میں اللہ کے سوا کسی دوسرے حاکم کے وجود کا تصور نہ ہو۔ اب رسولؐ کے بعد بھی جن اولی الامر کی اطاعت ہوگی وہ وہی ہوں گے جنہیں اللہ اپنی طرف سے نیابت عطا کرے۔ جیسا کہ ارشاد ہوا:-

رَبُّکَ یَخْلُقُ مَا یَشَاءُ وَیَخْتَارُ

"اللہ ہی خلق کرتا ہے جو چاہتا ہے اور منتخب کرنا بھی اسی کا کام ہے"

اسی نیابت کے لحاظ سے جو اللہ کی طرف سے حاصل تھی پیغمبر خداؐ کی آمرانہ شان کا اعلان ان الفاظ میں کیا گیا۔ کہ:-

النبی اَولیٰ بالمؤمنین من انفسھم

"رسولؐ کو مومنین پر خود ان کے نفوس سے زیادہ اختیار ہے۔"

اور اسی کا اقرار رسولؐ نے ہزاروں کے مجمع میں روز غدیر خم خود مسلمانوں سے کرایا۔ ان الفاظ میں کہ:-

اَلَسْتُ اَولیٰ بِکُم مِن اَنفُسِکُم

"کیا مجھے تم سب پر تمہارے نفوس سے زیادہ حق نہیں ہے۔"

سب نے کہا بلیٰ یعنی کیوں نہیں۔ ضرور آپؐ کو زیادہ حق ہے

یہ اقرار خود ان تمام مسلمانوں کی جانب سے خدا و رسولؐ کی آمریت کے مقابلہ میں اپنے جمہوری و خود ارادی تصورات کی نفی اور اس حق کے سلب ہونے کا اعتراف تھا۔

مسلمانوں کے بالاعلان اس اعتراف و اقرار کی بنا پر ہی پیغمبر خداؐ نے اپنے بعد کے لیے اعلان فرمایا:-

مَن کُنتُ مَولاہُ فَھٰذا عَلِیٌّ مَولاہُ

"جس کا میں مولا ہوں اس کا علیؑ بھی مولا ہے"

اس اعلان کے پس منظر کو دیکھنے کے بعد صاف نظر آجاتا ہے کہ علیؑ کی اس ولایت کو تسلیم کرنا اللہ اور اس کے رسولؐ کی آمریت مطلقہ کو تسلیم کرنے کا جو حقیقت اسلام ہے، لازمی تقاضا ہے۔

maablib.org

اب اسی کا نام "شیعیت" ہوگیا۔ تو وہ کیا اسلام سے الگ کوئی چیز ہے؟ یا حقیقت یہ ہے کہ اسلام شیعی دعوت ہے۔ اور شیعی دعوت عینِ اسلام ہے۔

اسلام میں دو فرقوں کی بُنیاد

نبوّت و رسالت کے عنوان سے الٰہی حکومت اور انسانی اقتدار کی جنگ کا آخری مورچہ تھا۔ جب پیغمبر اسلام محمد مصطفےٰؐ نے فتح کرکے لا الٰہ الا اللہ کی آواز اتنی قوت کے ساتھ عالمِ انسانیت تک پہنچا دی کہ اب الٰہی اقتدار کے مقابلہ میں مادی اقتدار کے پرستاروں کو کھل کر سامنے کھڑے رہنے کی تاب نہ رہی اس لیے انہوں نے کلمہ پڑھ کر قبولِ اسلام کا اعلان کردیا۔ اور غدیر میں بھی پیغمبرؐ کے سوال کا جواب اقرار کی صورت میں دے دیا۔ مگر ان کی ذہنیت پورے طور پر بدلی نہ تھی۔ اس لیے اب انہوں نے خود اسلام کے اندر "جمہوریت" کے نام سے ایک مکتبِ خیال کی بنا قائم کرلی جس کا نصب العین تھا الٰہی اقتدار کے بجائے انسانوں کے لیے حقِ خود ارادی قائم کرنا اور مسلمانوں کا ایک بہت بڑا طبقہ مادی دلفریبی کی وجہ سے اس کا گرویدہ ہوگیا۔ جبکہ اسلامی تعلیمات کی حقیقی روح کے محافظین الٰہی اختیارات کے مقابلہ میں انسانی اقتدار

کی کلیتہً نفی کے علم بردار رہے۔

یہ اختلاف تھا جو اب تک سنی اور شیعہ فرقوں کے نام سے قائم ہے۔

ہمارا جرم

ہمارا بنیادی جرم فقط یہ ہے کہ ہم ثباتِ قدمی کے ساتھ الٰہی حکومت کے وفادار رہے اور اسی کو صحیح تسلیم کرتے رہے۔ اسی کا نام تولّا ہے اور ان حکومتوں کو جو خدا اور رسولؐ کے مسلسل اعلانات اور قرآن و حدیث کے بلند بانگ تصریحات کے خلاف انسانی اختیارات کو کام میں لاکر قائم ہوئیں ناجائز سمجھتے رہے۔ اسی کا نام تبرّا ہے جس کو ہمارے مخالف طرح طرح کے بدنما لباسوں میں پیش کرتے رہے ہیں۔ اور اسے ہمارے کفر کی دلیل قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ یہ کفر ہے تو وہی کفر جس کی دعوت ہمیں اسلام نے دی ہے۔ (ومن یکفر بالطاغوت ویؤمن باللہ فقد استمسک بالعروۃ الوثقیٰ لا انفصام لھا)

ہماری اللہ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اس کفر پر قائم رہنے کی توفیق عطا کرے اور اس عروۃ الوثقیٰ (مضبوط رسی) سے متمسک رکھے جو کبھی شکستہ ہونے والا نہیں ہے

ہمارا دوسرا جرم

رسول اللہؐ کے دور میں جنہوں نے اسلام قبول کیا اور پیغمبر خداؐ کے

جمالِ جہاں آرا کی زیارت کی ان سب کے لیے ایک اصطلاحی لفظ صحابہ کا قرار پاگیا ہے۔

یہ صحابیت ہمارے نزدیک بھی ایک شرف ہے اور بہت بڑا شرف مگر اس شرف کے کچھ عملی تقاضے بھی ہیں۔ جن میں سب سے بڑی بات یہ ہے کہ منہ دیکھے کی محبت کوئی چیز نہیں۔ اصل وفاداری اور دل و دماغ کے لحاظ سے رسولؐ کے مشن کے ساتھ وابستگی کا ثبوت یہ ہے کہ رسولؐ کے دنیا سے اٹھنے کے بعد بھی انکے ارشادات اور اعلانات کے ساتھ وفاداری قائم رکھی جائے۔

ہمارا قصور یہی ہے کہ ہم نے صرف ابتدائی حالات یا اسلامی خدمات کو بھی (اگر وہ کچھ ہوں) قابلِ اعتبار نہیں سمجھا۔ بلکہ ہم ان صحابہ کو قابلِ احترام سمجھتے ہیں اور ان کے سامنے سرِ عقیدت جھکاتے ہیں۔ جو پیغمبرِ خداؐ کے بعد بھی برابر ان کے وفادار رہے ہوں۔ اور اس اسلامی نظام سے غداری کے مرتکب نہ ہوئے ہوں۔ جسے الٰہی حکومت کی شکل میں پیغمبرِ خداؐ نے قائم کیا تھا۔

ہم نے اصول کو سامنے رکھا ہے۔ اور اصول کے مقابلہ میں شخصیتوں کا کوئی لحاظ نہیں کرتے۔ نہ حق کے مقابلہ میں کثرتِ تعداد کا کوئی وزن سمجھتے ہیں۔ اس کو ہمارے مخالف "بغضِ صحابہ" کے نام سے ہمارا بڑا جرم قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ اگر صحابیت ہی کے معیار پر دیکھا جائے تب بھی تو اہل بیتِ رسولؐ شرفِ صحبت میں سب سے مقدم نظر آئیں گے

جن کی محبت کو قرآن و حدیث کے رو سے ہم جزوِ ایمان سمجھتے ہیں۔ پھر آخر ان کی محبت محبتِ صحابہ کیوں نہ قرار پائے اور جنہوں نے ان سے مخالفت کی، انہیں ایذائیں پہنچائیں اور طرح طرح کے مظالم کیے، وہ بغضِ صحابہ کے مجرم کیوں نہ قرار پائیں۔

تعلیماتِ اسلامیہ کے دو مکتب

اور

ہمارا ایک اور بڑا جرم

معاملہ اگر فقط سلطنت و حکومت کا ہوتا تو اسے ایک زمانہ خاص کی چیز سمجھ کر کم از کم اب نظر انداز کیا جا سکتا تھا۔ جیسا کہ بعض "اتحاد پسند" افراد یہ کہہ کر اب "رفت و گذشت" کی دعوت دیتے ہیں کہ اب نہ دنیا میں ابوبکر ہیں اور نہ علیؑ سامنے موجود ہیں۔ اب یہ جھگڑا کیوں۔ کہ ان میں سے کس کی خلافت درست تھی؟ مگر بات تو فقط اتنی نہیں ہے چونکہ اسلام میں دین و دنیا الگ نہیں اور یہاں صحیح سیاست مذہب سے جدا کوئی چیز نہیں۔ اس لیے پیغمبرِ اسلامؐ نے منجانب اللہ جس طرح اپنے بعد کے لیے ایک نظامِ حکومت کے قیام کا اعلان کر دیا تھا، اسی طرح تعلیماتِ اسلامی، کتاب اور سنت کے صحیح علم کا مرکز بھی بتا دیا تھا کہ وہ یہی افراد ہیں۔

اس اعلان کے مختلف انداز تھے، کبھی ارشاد ہوا:۔

اِنِّی تَارِکٌ فِیکُمُ الثَّقَلَیْنِ کِتَابَ اللّٰہِ وَعِتْرَتِی اَہْلَ بَیْتِی مَا اِنْ تَمَسَّکْتُمْ بِہِمَا لَنْ تَضِلُّوا اَبَدًا۔

"میں تم میں دو گرانقدر چیزیں چھوڑتا ہوں، اللہ کی کتاب اور میری عترت جو میرے اہلِ بیت ہیں۔ جب تک ان دونوں سے تمسک رکھو گے کبھی گمراہ نہ ہو گے۔"

کبھی فرمایا:۔

مَثَلُ اَہْلِ بَیْتِی کَمَثَلِ سَفِیْنَۃِ نُوْحٍ مَنْ رَکِبَہَا نَجَا وَمَنْ تَخَلَّفَ عَنْہَا غَرِقَ وَہَوٰی۔

"میرے اہلِ بیت کی مثال کشتیٔ نوحؑ کی سی ہے۔ جو اس پر سوار ہوا اس نے نجات پائی اور جو اس سے الگ ہوا وہ غرق ہوا۔"

کبھی فرمایا:۔

اَنَا مَدِیْنَۃُ الْعِلْمِ وَعَلِیٌّ بَابُہَا فَمَنْ اَرَادَ الْعِلْمَ فَلْیَاْتِ الْبَابَ۔

"میں علم کا شہر ہوں اور علیؑ اس کا دروازہ ہے جو علم کا طلبگار ہے اسے دروازے پر آنا چاہیئے۔"

پیغمبرِ خداؐ کے بعد جب مسلمانوں کی اکثریت نے نظامِ حکومتِ اسلامی کو تسلیم نہ کرتے ہوئے اپنا سیاسی مرکز الگ بنایا تو اب سیاسی مصالح اس کے متقاضی ہوئے کہ ان شخصیتوں کو جو ایک "محاذِ مخالف" کی حیثیت رکھتی ہیں ہر حیثیت سے مسلمانوں کی نظروں سے اوجھل کیا جائے اور انکی اہمیت کو

ختم کر دیا جائے۔ اس لیے انہوں نے "تعلیماتِ دینی" کے لیے بھی دوسرے مرکز تلاش کیے۔ مگر رسولؐ نے بمنشائے ایزدی جب کہ ان علوم کا خزانہ دار مخصوص افراد کو بنا دیا تھا تو انہیں یہ مرکز ملتے کہاں۔ لہٰذا جمع قرآن کے لیے زید بن ثابت وغیرہ ایسے نوعمر صحابیوں کے خدمات حاصل کیے تفسیر قرآن میں انبیائے سلف کے واقعات کے لیے نومسلم علمائے یہود جیسے کعب الاحبار اور عبداللہ بن سلام کے افواہی روایات سے اپنے معلومات کے دامن کو وسیع کیا۔ احادیث رسولؐ کے لیے ابوہریرہ وغیرہ ایسے بیباک اور جسور اشخاص کے حکایات و روایات کا سہارا لیا اور یہاں تک کہ فقہ اسلامی کی تدوین کا کام دوسری صدی تک نہ ہو سکا اور بالآخر سو ڈیڑھ سو برس کے بعد پیدا ہونے والے امام ابو حنیفہ، مالک شافعی اور احمد بن حنبل پر انحصار کیا گیا۔ جن میں سے سوا امام مالک کے سب رسولؐ کے محلِ ولادت اور محلِ اقامت یعنی مکہ اور مدینہ دونوں سے دور سرزمین عراق پر متولد ہوئے وہیں رہے اور رہیں مختلف الخیال علماء سے تحصیل علم کر کے اپنی اپنی رائے سے انہوں نے اختلافی مسائل میں کسی ایک شق کو اختیار کر لیا۔ مگر رسول اللہؐ کی معصوم ہستی کے بعد جنہوں نے اپنی خود مختاری کو قائم رکھ کر رسولؐ کے ارشادات کو من و عن تسلیم نہ کیا۔ انہوں نے اب اختلافات سے گھبرا کر مذہب کے بارے میں ان جائز الخطا مجتہدین کی فقہوں کو نہ صرف ان کے دور کے لیے بلکہ قیامت تک کے واسطے واجب العمل قرار دے دینا ضروری سمجھا۔

ہمارا جرم اور بہت بڑا جرم یہ ہے کہ ہم نے رسول اللہؐ کے بعد جس طرح حکومت کا حقدار صرف انہی کو سمجھا جن کے لیے خدا اور رسولؐ کا اعلان ہو چکا تھا۔ اسی طرح دینی تعلیمات کے باب میں بھی صرف انہی کی رہنمائی قبول کی۔ جہاں تک ان کے ارشادات کو سمجھنے اور ان سے نتائج نکالنے کا تعلق ہے۔ اس کا ضروری علوم سے واقفیت کے ساتھ ہر دور میں ہر شخص کو حق حاصل ہے اور اسی معنی میں اجتہاد کا دروازہ ہمیشہ کھلا ہوا ہے لیکن جہاں تک اصل تعلیمات کا ماخذ کا سوال ہے ہم صرف ان ہی ارشادات کو دینی تعلیمات کا سرچشمہ مانتے ہیں جو قرآن، حدیث رسولؐ اور ان اہلبیت معصومینؑ سے پہنچے ہوں۔ جنہیں پیغمبرؐ نے اپنے علوم کا ورثہ دار بنایا اور بتایا تھا۔

ایک بہت بڑا فرق

علم اور عقل کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ اور ذوقِ تحقیق بالآخر حق تک رسائی کا ذریعہ بنتا ہے۔ حقیقت تفکر و تدبر سے متنفر نہیں، بلکہ اس کی طلبگار رہی ہے۔ اسی لیے قرآنِ کریم نے عقل کی آنکھوں پر پردے نہیں ڈالے بلکہ آنکھیں کھولنے کی دعوت دی۔ اس نے ہمیشہ اہل عقل سے غور و فکر نہ کرنے کا شکوہ کیا۔ اور فکر و تدبر کا مطالبہ کیا مگر جبر و تشدد سے قائم شدہ اقتدار ہمیشہ عوام سے قوتِ احساس کے سلب کرنے کے درپے رہا کرتا ہے اور غور و فکر کو خطرہ کی نگاہ سے دیکھتا ہے غلبہ اقتدار

کی بنیاد اسی پر ہوتی ہے کہ ایسا ہو گیا ہے۔ لہٰذا سب کو یہی ماننا چاہیے اور جب بھی عوام یہ سوچنے لگتے ہیں کہ اصل میں ہونا کیا چاہیے تو یہیں سے غلبہ و اقتدار والا نظام اپنے لیے خطرہ محسوس کرتا ہے۔

اس کا نتیجہ یہ تھا کہ پیغمبر اسلامؐ کے بعد برسرِ اقتدار آنے والی حکومت نے مذہب سے عقل کو بے دخل کیا۔ اور یہ اصول قرار دیا کہ بجائے خود حسن و قبح کوئی چیز نہیں ہے۔ حکمِ حاکم وہ ہے جو حسن اور قبح کا معیار ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ یہ دیکھو کیا ہے اور بس جو ہوا اسی کو سمجھ لو کہ ایسا ہونا چاہیئے۔

اس کے برخلاف رسولِ اسلامؐ اور انہی کی طرح ان کے لعد اہل بیتِ رسولؐ کی یہ تعلیم رہی کہ اصول مذہب عقلی ہیں۔ اور حسن و قبح بھی عقلی ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ ہر چیز میں پہلے اپنی عقل پر زور دے کر یہ سمجھو کہ ہونا کیا چاہیے۔ اور جب یقینی طور پر یہ سمجھ میں آجائے تو یقین کر لو کہ حقیقت میں ایسا ہی ہے بھی۔

اس سے ہمارے اور ہمارے اغیار کے فکر کے زاویے بدل گئے ہم حسن و قبح کو عقلی سمجھتے ہیں۔ اس لیے جو ہونا چاہیے اسی کو مانتے ہیں اور اس کے خلاف جو ہوا اسے غلط جانتے ہیں۔

بے شک تعبدی احکام جن میں ہماری ناقص عقل دسترس نہیں رکھتی ان کو خود عقل ہی کے کہنے سے خالق کے مقرر کردہ معلم کے ارشادات سے معلوم کریں گے۔ مگر جہاں جہاں عقل بطور خود رہنمائی کرتی ہے، وہاں پھر عقل کے فیصلہ کو ہم قطعی حجت و دلیل سمجھتے ہیں۔

سچ پوچھیے تو وہ اصول کہ "یہ دیکھو کیا ہے اور جو ہوا اسے حق سمجھ لو" اگر بنیادی طور پہ کارفرما ہو جائے تو حق تعالےٰ کے وجود ہی کو ماننا بے بنیاد ہو جائے۔ کیونکہ وہاں "ہے" کے دیکھنے کا ہمیں امکان نہیں۔ پھر اسے حق کیونکر سمجھیں۔ اس پر یقین کی بنیاد فقط یہی ہے کہ کائناتِ عالم کے حدوث و بقا کے لیے ضرورۃً ایک خالق و پروردگار کو ہونا چاہیئے اور اس لیے ضرور ہے۔

پھر جب دین کا پہلا سنگِ بنیاد صرف عقل کی رہنمائی سے قائم پایا ہے تو اس کے بعد کبھی بھی عقل کو دین سے بیدخل کیونکر کیا جا سکتا ہے۔

اس کے دور رس نتائج

اندازِ فکر کے اس اختلاف نے ہمارے اور ہمارے غیروں کے درمیان اب مبدا سے لیکر معاد تک ایک بہت بڑی خلیج حائل کر دی اور اس کے بعد "امامت و خلافت" ہی میں نہیں بلکہ توحید، رسالت اور معاد تک میں شیعی اور سنی نقطۂ نظر الگ الگ ہو گیا۔ ان میں سے ہر جگہ درحقیقت پیغمبر اسلامؐ کے بتلائے ہوئے اسلام کا صحیح عقیدہ وہی ہے جسے "شیعیت" کہتے ہیں۔ اور اس کے خلاف جو عقیدہ ہے وہ اس مختلف مکتبِ خیال کی پیداوار ہے جس نے مذہب کو غیر عقلی بنا کر ہی اپنے مصالح کے لحاظ سے ضروری سمجھا۔

ہمارے امتیازی عقائد

یا

اسلام کے حقیقی اصول

توحید:-

(۱) اللہ ایک ہے محض ایک۔ ہر طرح سے ایک۔ یہ نہیں کہ اس میں ایک ذات ہے اور آٹھ صفحات اور یہ نو مستقل قدیم ہیں۔ اور ان نو کا مجموعہ ایک خدا ہے۔ یہ سنیوں کا عقیدہ ہے جو نصاریٰ کی تثلیث سے تین گنا بڑھا ہوا ہے۔

قرآن نے نصاریٰ کو متنبہ کیا ہے کہ لا تقولوا ثلٰثۃ انما ھو اللہ واحد اسی طرح ہمارا عام مسلمانوں سے بھی تقاضا ہے کہ لا تقولوا تسعۃ انما ھو اللہ واحد

اللہ کی ذات ہی ہر طرح کے کمال پر حاوی ہے۔ اس کے لیے ذات کے ماسوا صفات کی ضرورت نہیں ہے۔

(۲) وہ جسم اور جسمانیات سے بری ہے۔ اس کے ہاتھ پاؤں مکان آنکھ وغیرہ نہیں ہے۔ نہ وہ کسی مکان اور مستقر میں محدود ہے۔ ایسا ہرگز نہیں کہ وہ عرش پر بیٹھا ہوا ہو اور عرش اس کا جسمانی مکان ہو۔ قرآن میں جو الرحمٰن علی العرش استوٰی ہے اس کے معنی غلبہ و اقتدار کے ہیں جو خالق کے شایانِ شان ہے نہ کہ تمکن و استقرار

کے جو اس کی شان کے لائق نہیں ہے۔

ہمارے خلاف محمد بن عبدالوہاب کے پیرو (وہابی) جماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ وہ عرش پر متمکن ہے۔ عرش پر سے اترتا اور آسمانوں کی سیر کرتا ہے اور آسمانِ اوّل پر آ کر صدا دیتا ہے، کہ کون مجھ سے مغفرت کا طلبگار ہے کہ میں اسے بخش دوں؟ کون مجھ سے دعا مانگنا چاہتا ہے جس کی دعائیں قبول کر لوں۔ یہ باتیں شانِ الوہیت کے خلاف ہیں جن کا حقیقتِ اسلام سے کوئی علاقہ نہیں ہے۔

(۳) جبکہ وہ جسمانیت سے بری ہے، مکان و سمت و جہت کی پابندیوں سے برتر ہے تو اسی بنا پر ہم جانتے ہیں کہ آنکھوں سے اسے دیکھنے کا تصور بھی غلط ہے۔ نہ اس دنیا میں اور نہ آخرت میں۔ کیونکہ جو شے آنکھوں سے دیکھی جائے وہ سمت و جہت اور مکان میں محدود بن جائے گی اور یہ بات شانِ الٰہی کے بالکل منافی ہے اور جبکہ اس کی الوہیت میں حال و مستقبل اور دنیا و آخرت کا کوئی فرق نہیں تو نفی رویت میں دنیا اور آخرت کا فرق قرار دینے کے کیا معنی ہیں۔ اس لیے قرآنِ مجید کا اعلان ہے
لا تدرکہ الابصار وھو یدرک الابصار وھو اللطیف الخبیر

ہمارا عقل کے اسی فیصلہ اور قرآن کے اسی اعلان پر ایمان ہے۔ اس کے برخلاف دوسرے مسلمان قیامت میں اس کے دیدار کی امید لگائے ہوئے ہیں جو تعلیم اسلام اور قرآن کے خلاف ہے۔

۴۔ عدل۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ اللہ کا ہر فعل وہی ہوتا ہے جو درست

و مناسب اور بہتر ہو اور اس کے ہر کام میں کوئی مقصد صحیح مضمر ہوتا ہے کوئی کام عبث نہیں ہوتا، نہ ظلم اور شر کا، اس میں گزر مانا جا سکتا ہے۔

یہی وہ عقیدۂ عدل ہے جو توحید کے بعد ہمارے اصولِ دین کا ایک جزو ہے۔ دوسرے مسلمان یہ کہتے ہیں کہ اللہ قادرِ مطلق ہے۔ لہٰذا وہ جو چاہے کرے اور اس لیے ظلم و جور ہر بات اس کے لیے روا ہے۔

ہمارے نزدیک یہ جنگل لاء والا وہ اصول ہے جسے قہر و غلبہ کے جواز کے لیے سلاطین با اقتدار نے اپنے اعمال کو محاسبہ کی گرفت سے نکال لینے کے مقصد سے وضع کیا ہے اور اسی کو لے جا کر سیاست کے زیرِ سایہ رائج شدہ اسلام کے اصول عقائد میں اللہ پر منطبق کر دیا ہے جو اللہ کی شانِ جلال و کمال کے خلاف ہے اور اسی لیے قرآن نے بار بار اس کے خلاف اعلان کیا ہے۔ کبھی مثبت طور پر اس طرح کہ
تَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ صِدْقًا وَعَدْلًا لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمَاتِهِ
"تمہارے پروردگار کی بات سچائی اور عدالت سے بھرپور ہے اس کی بات کبھی بدلتی نہیں" اور کبھی منفی صورت سے ان الفاظ میں کہ
اِنَّ اللہَ لَیْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِیْدِ "اللہ بندوں پر ظلم نہیں کرتا"
اِنَّ اللہَ لَا یَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ "اللہ کے یہاں ذرہ برابر بھی ظلم نہیں ہے"۔ ہمارا عقیدہ یہی ہے اور یہی حقیقی اسلام کی تعلیم ہے

(۵) ہمارے نزدیک انسان فاعل مختار ہے اور وہ خود اپنے افعال کا ذمہ دار ہے۔ اسی سے اس کو جزا و سزا کا استحقاق ہے۔

اس کے خلاف دوسروں کا عقیدہ یہ ہے کہ انسانی افعال کا اصل فاعل پروردگار ہے اور انسان اس کے افعال کا آلۂ کار ہے۔ اس صورت میں اس کو جزا و سزا کا دیا جانا خالق کی طرف سے ظلم قرار پاتا ہے جو اصول عدل کے خلاف ہے۔

قرآن کا ارشاد ہے۔ وما ظلمھم اللہ ولکن انفسھم کانوا یظلمون "اللہ نے اُن پر کوئی ظلم نہیں کیا۔ وہ خود اپنے نفوس پر ظلم کرتے تھے"۔ اس طرح صاف فعل ظلم کی اللہ سے نفی کی گئی ہے اور اسے بندوں کا فعل قرار دیا گیا ہے۔ اسلام کی حقیقی تعلیم یہی ہے۔

نبوت۔

۶۔ ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ خالق نے خلائق کی ہدایت کیلئے اپنی طرف سے رہبر مقرر کیے۔ ان رہبروں کو انبیاء و مرسلین کہتے ہیں۔ یہ انبیاء و مرسلین انسانی اخلاق و کردار اور بلند اوصاف میں وہ معیاری درجہ رکھتے تھے کہ خلق خدا کے لیے نمونہ بن سکیں۔ اس لیے ان کے افعال میں عمداً اور سہواً کسی طرح بھی کسی غلطی کا امکان نہیں ہے۔ انبیاء ہر طرح سے گناہوں سے ہر عمر میں معصوم ہوتے ہیں۔ ان سب میں افضل و برتر حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے۔ جو آخری نبی اور آخری رسول ہیں اور اس لیے آپ کی سیرت مبارک بھی اتنی بلند تھی کہ وہ عام خلق خدا ہی کے لیے نہیں بلکہ انبیاء و مرسلین کے لیے بھی معیاری نمونہ تھی۔ اور اسی لیے مثل قرآن مجید کے آپ کی سیرت طیبہ اور سنت مبارکہ بھی قیامت تک کے مسلمانوں

کے لیے قانونِ اسلام کا ایک اہم ماخذ ہے۔

ہمارے خلاف دوسرے مسلمان لفظاً انبیاء کی عصمت کا اقرار کر لیتے ہیں۔ مگر کبھی تو ان کی زندگی کے مختلف حالات کے لحاظ سے تفریق کرتے ہیں کہ رسالت کے بعد وہ معصوم تھے مگر رسالت ملنے سے پہلے گناہ کا وقوع ہو سکتا ہے۔ کبھی افعال و اعمال کی نوعیت اور رسالت اور بشریت کی حیثیتوں میں فرق کرتے ہیں کہ بحیثیت رسول جو اقوال و افعال ہوں وہ غلطی سے بری ہوتے ہیں اور بحیثیت بشر جو ہیں ان میں غلطی کا امکان ہے۔

اسی کا ایک شاخسانہ وہ ہے جو اس زمانہ میں بڑی شدت اختیار کر گیا ہے کہ کتابِ خدا یعنی قرآن صرف قانونِ اسلام کا سرچشمہ ہو سکتا ہے اور سنتِ رسولؐ وقتی چیز تھی۔ وہ کوئی ناقابل تبدیلی شے نہیں ہے جس کی پیروی ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ضروری ہو۔

یہ سب تصورات ہمارے نزدیک شانِ رسالت کے خلاف ہیں پیغمبرؐ کی بشریت کا بلند معیار ہی تو خالق کی طرف سے رسالت کے لیے ان کے مبعوث ہونے کی اصل وجہ ہوتا تھا جسے قرآن نے ان الفاظ میں ظاہر کیا ہے کہ اَللّٰہُ اَعۡلَمُ حَیۡثُ یَجۡعَلُ رِسَالَتَہٗ "اللہ خوب جانتا ہے کہ وہ اپنی رسالت کہاں قرار دے"؟ پھر ان کے کردار میں بشریت کے پہلو کو نیچا اور رسالت کے جنبہ کو اونچا قرار دینا کہاں درست ہو سکتا ہے؟ سنتِ رسولؐ اور سیرت مقدسہ کی پیروی کی دعوت بھی خود قرآن

میں ہی صاف صاف موجود ہے۔

قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ (اے رسولؐ ان سے کہہ دیجیے کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو۔ اللہ بھی تمہیں دوست رکھے گا۔

اگر صرف قرآن کافی ہوتا تو پیغمبرؐ کی پیروی پر رضائے الٰہی کا انحصار نہ کیا جاتا۔ اس سے ظاہر ہے کہ رسولؐ کے اقوال و اعمال کے مقابلہ میں حسبنا کتاب اللہ کا نعرہ لگانا خود کتاب اللہ کی مخالفت کرنا ہے۔

امامت۔

۷۔ ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ جس طرح نبوت و رسالت کا تقرر خالق کی جانب سے ہوتا ہے اسی طرح رسولؐ کے بعد حکومتِ الٰہیہ کے نائب کا تقرر بھی منجانب اللہ ہوتا ہے۔ اس میں انسانوں کے اجماع و شوریٰ وغیرہ کو کوئی دخل نہیں ہے۔ اور یہ سلسلہ یکے بعد دیگرے خالق کا مقرر کردہ تا قیامت قائم ہے۔ دوسرے مسلمانوں نے رسولؐ کے بعد اس اختیار کو اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔ اس کی تفصیل پہلے بیان ہو چکی ہے۔

قیامت:۔

۸۔ قیامت کے بارے میں ہمارا عقیدہ یہ ہے۔ جو قرآن و حدیث پر مبنی ہے کہ جزا و سزا کے لیے اسی جسم اور اسی روح میں دوبارہ تعلق قائم کر کے ہر شخص کو نشاۃ ثانیہ عطا کیا جائے گا۔ اور حساب و کتاب کے بعد اچھوں کو بہشت میں اور بُروں کو دوزخ میں بھیجا جائے گا۔ اسکے معنی

یہ ہیں کہ روح خود ایک جوہر ہے جو اس جسم سے مفارقت کے بعد بھی قائم رہتا ہے۔

دوسرے مسلمانوں کی اکثریت جسم سے الگ روح کے وجود کو تسلیم نہیں کرتی اور معاد کے معنی یہ قرار دیتی ہے کہ جزا و سزا کے لیے جسم میں پھر روح پیدا کی جائے گی۔

اس صورت میں عالم برزخ جو تمام مسلمانوں کے نزدیک ایک مسلمہ حقیقت ہے کوئی شے نہیں رہتا۔

ہم اس کو اسلامی تعلیم کے خلاف سمجھتے ہیں۔

فقہی اختلافات

یہ تو وہ اختلافات تھے جو اصول عقائد سے متعلق ہیں۔ اس کے بعد مسائل و احکام شرعیہ میں بے شمار اختلافات ہو گئے ہیں۔ جن میں ہمارا مسلک ہمیشہ تعلیم اہل بیتؑ کے مطابق ہوتا ہے اور دوسرے مسلمان یہ اقرار کرتے ہیں کہ اہل بیت رسولؐ کی تعلیم وہی ہے مگر خود عملی طور پر ابو حنیفہ وغیرہ کی پیروی کرتے ہیں۔ جیسے وضو میں ہمارا مسلک پیروں کا مسح جو قرآن مجید کی تعلیم کے عین مطابق ہے اور دوسروں کا مسلک پیروں کا دھونا جو قرآن کے خلاف ہے۔

نماز میں ہمارا طریقہ ہاتھ کھولنا جو اہل بیت رسولؐ ہی نہیں بلکہ اہلسنت کے بھی چار اماموں میں سے امام دار الہجرہ مالک بن انس کے فتوے کے

مطابق ہے جو یقیناً سنتِ رسولؐ سے مدینہ منورہ میں قیام کی بنا پر زیادہ واقف ہو سکتے تھے۔ اور سنیوں کا طریقہ ہاتھ باندھنا ہے جو رسولؐ کی وفات کے ڈیڑھ صدی بعد کوفہ میں پیدا ہونے والے عالموں کے فتوے کے مطابق ہے۔

ایسے ہی دیگر زندگی کے شعبوں کو سمجھنا چاہیئے جن کی تفصیل فقہ کی کتابوں سے معلوم ہو سکتی ہے۔

حکومتوں کا پروپیگنڈا

اور

ہمارے خلاف اتہامات

چونکہ ہم نے خدا اور رسولؐ کی وفاداری کے پیش نظر ان حکومتوں کو تسلیم نہ کیا جو مسلمانوں میں تخت و تاج کی مالک بن گئی تھیں۔ اس لیے ہمیشہ حکومت کی مشینری ہمارے خلاف متحرک رہی۔ ہمارے خلاف طرح طرح کے پروپیگنڈے کیے گئے۔ جنہوں نے مستقل اتہامات کی شکل اختیار کر لی اور حکومت کے کاسہ لیس اور اکثریتی خیال کے علمانے انہیں اپنی کتابوں میں درج کر دیا۔

یہ اتہامات وہ ہیں جنہیں حقیقت پسند افراد کو ہم سے متنفر بنانے کے لیے ہمیشہ پیش کیا جاتا رہا ہے۔ پھر اس میں عوام کی اکثریت نے جو ہمارے خلاف تھی ہر دور میں اپنی افواہوں سے اضافہ کیا۔ جس کا سلسلہ آج تک جاری ہے

اور ہمارے خلاف نئے نئے اتہامات کی پیداوار بڑھتی رہتی ہے۔

ان میں سے کچھ اتہامات اور ان کے مقابلہ میں جو اصل حقیقت ہے اسے ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

۱۔ یہ عقیدہ کہ اللہ تعالیٰ (معاذ اللہ) پشیمان ہوتا ہے" یہ ہماری جانب وہ نسبت ہے جسے اپنی کتابوں میں درج کرنے سے سوادِ اعظم کے بڑے بڑے مقدس و متورع علماء بھی نہیں جھجکتے۔ حالانکہ ہم اللہ، اس کے ملائکہ، تمام مرسلین اور بندگان صالحین کو گواہ کر کے یہ اعلان کرتے ہیں کہ یہ ہم پر محض تہمت اور افتراء ہے۔

یہ بالکل ویسا الزام ہے جیسا نسخ کے عقیدہ کی بنا پر تمام مسلمانوں کے خلاف یہود و نصاریٰ الزام لگاتے تھے کہ اللہ شریعتوں میں تبدیلی کرتا ہے تو اسکے معنی یہ ہیں کہ اسے پچھتاوا ہوتا ہے اور اس لیے ایک قانون کو منسوخ کر کے وہ دوسرا قانون نافذ کرتا ہے۔ تمام مسلمان اس کے جواب میں یہی کہتے ہیں کہ نہیں۔ تبدیلی پچھتاوے کی بنا پر نہیں بلکہ حالات و مصالح کی تبدیلی کی بنا پر ہوتی ہے۔ بس اسی طرح ہم تقدیراتِ الٰہیہ میں بدا کے قائل ہیں۔ جس کے معنی یہی ہیں کہ مصالح و حالات کی تبدیلی سے مقدرات میں تبدیلی کی جاتی ہے۔ اس کی نظیریں تمام مسلمانوں کے متفق علیہ مسلمات میں موجود ہیں آخر مغفرتِ ذنوب، قبولیتِ دعا، شفاعت، صدقہ و خیرات سے ردّ بلا وغیرہ کیا ہے۔ یہ سب احکام میں تبدیلیاں ہی تو ہیں۔ بس اسی کو بدا کہتے ہیں جس کا قرآن مجید کی اس آیت میں بیان ہے کہ یمحوا اللہ ما یشاء و یثبت و عندہ

ام الکتاب" اللہ جو بات چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جو بات چاہتا ہے قائم رکھتا ہے۔ اور علم کا اصل خزانہ اس کے پاس ہے۔ اور یہ عقیدہ تو قرآن میں یہود کا بتایا گیا ہے کہ ازل میں اللہ کو جو فیصلے کرنا تھے وہ اس نے کر لیے۔ اب وہ کچھ نہیں کر سکتا۔ اور اسکی قرآن نے بڑی شدت کے ساتھ رد کی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے وَقَالَتِ الْيَهُودُ يَدُ اللَّهِ مَغْلُولَةٌ غُلَّتْ أَيْدِيهِمْ وَلُعِنُوا بِمَا قَالُوا بَلْ يَدَاهُ مَبْسُوطَتَانِ۔ اور یہودیوں کو سنو وہ کہتے ہیں کہ اللہ کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں وہ اب کچھ نہیں کر سکتا۔ خود انہی کے ہاتھ بندھے ہوئے ہوں گے۔ اور اپنے اس قول سے ملعون قرار پائیں گے۔ اللہ کے ہاتھ تو ہمیشہ کھلے ہوئے ہیں۔"

اسکے بعد یہ پروپیگنڈے کی طاقت نہیں تو اور کیا ہے کہ یہود کے خیال کے مطابق انکار بدا تو اسلامی عقیدہ قرار پا جائے اور وہ عقیدہ جو قرآنی تعلیم کے مطابق ہے اسے یہ بھیانک لباس پہنا دیا جائے کہ شیعہ (معاذ اللہ) اللہ کی پشیمانی کے قائل ہیں۔

۲۔ یہ بھی ہماری طرف نسبت دیدی جاتی ہے کہ شیعہ حضرت علیؑ کو رسول اللہؐ پر فضیلت دیتے ہیں۔ اس سلسلہ میں یہ خرافات بھی ہماری طرف منسوب کر دی جاتی ہے کہ جبرئیلؑ اصل میں رسالت کی وحی لیکر حضرت علیؑ کی طرف آئے تھے مگر دھوکے سے حضرت محمد مصطفےٰؐ تک پہنچا دی نعوذ باللہ من ھذہ الترّھات۔ شیعہ امامیہ اثنا عشریہ آج بحمد اللہ دنیا کے ہر خطہ میں موجود ہیں ہر جگہ ان کے علماء ہیں، انکی کتابیں ہیں اور انکے مدارس، کہیں بھی دریافت کر لیا جائے تو کہیں اسکی کوئی اصلیت نہ ملیگی۔ بیشک شیعہ بعد خاتم الانبیاءؐ حضرت علیؑ بن ابی طالبؑ کو تمام کائنات سے افضل مانتے ہیں جو قرآن و حدیث سے ثابت ہے اس کے علاوہ کوئی امر بھی شیعوں کی طرف منسوب کرنا بہتانِ عظیم ہے۔

۳۔ ایک بہت چلتا ہوا اتہام فرقہ شیعہ پر یہ ہے کہ ان کا قرآن پر ایمان نہیں ہے۔ اس لیے کہ یہ تحریف قرآن کے قائل ہیں۔ اس اتہام کے پردہ کو تفصیل سے ہم نے اپنے رسالہ "تحریف قرآن پر نظر" نیز "مقدمہ تفسیر قرآن" میں چاک کیا ہے۔ یہاں بالاختصار یہ عرض ہے کہ اگر کچھ روایات کے وجود کی بنا پر پورے فرقہ کی جانب کوئی عقیدہ منسوب کرنا درست ہے تو ہم پوری قوت کے ساتھ یہ کہنے کے لیے تیار ہیں کہ پھر شیعوں سے پہلے سنی تحریف قرآن کے قائل ہیں کیونکہ کثرت سے ان کے یہاں روایتیں اس طرح کی موجود ہیں اور اگر صرف روایات سے کسی فرقہ کے عقیدہ کو دریافت نہیں کیا جا سکتا۔ بلکہ یہ دیکھنے کی ضرورت ہے کہ خود اس فرقہ کے علماء ان روایات کے بارے میں کیا رائے رکھتے ہیں۔ تو یہ حقیقت ہے کہ محققین علمائے شیعہ قرآن کے الفاظ میں کسی زیادتی یا کمی ہونے کے قائل نہیں ہیں۔ چنانچہ آج سے ایک ہزار سال پہلے ہمارے بڑے عالم جناب شیخ صدوق محمد بن علی بن بابویہ قمی نے اپنے رسالہ "اعتقادات" میں لکھ دیا ہے کہ ہمارا اعتقاد یہ ہے کہ قرآن یہی ہے، جو ما بین الدفتین موجود ہے۔ اس میں کوئی زیادتی یا کمی ہرگز نہیں ہوئی ہے۔ بے شک اس کی ترتیب شانِ نزول کے مطابق نہیں ہوئی ہے اسے سب ہی مسلمان تسلیم کرنے پر مجبور ہیں۔ اور اکثر تسلیم کرتے ہیں۔

۴۔ بعض عبارت پسند ہماری طرف یہ عقیدہ بھی منسوب کر دیتے ہیں کہ شیعہ تناسخ کے قائل ہیں۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ اقرار تناسخ اور انکارِ معاد کو ہم اسی طرح کفر مانتے ہیں جس طرح تمام مسلمان مانتے ہیں۔ ہمارے یہاں رجعت کے بارے میں احادیث وارد ہیں مگر رجعت کو تناسخ قرار دینا بالکل ویسا ہے جیسے کوئی حشر و نشر کو جو تمام مسلمانوں کا عقیدہ ہے تناسخ سے

متحد بنادے۔ تناسخ کیا ہے؟ ایک شخص کا مرنے کے بعد پھر دوبارہ کسی ماں کے پیٹ سے پیدا ہونا یہ عقیدۂ اسلامی کے خلاف ہے۔ مگر رجعت مثل قیامت کے اس شخص کا اپنے اسی جسم کے ساتھ دوبارہ زندہ کیا جانا ہے۔ اسے تناسخ سے کیا واسطہ؟

قرآن مجید میں اسے حشر ہی کے لفظ کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ ویوم نحشر من کل امة فوجا ممن یکذب بآیاتنا فھم یوزعون۔ ہم ہر امت میں کے کچھ افراد کو جنھوں نے ہماری آیتوں کی تکذیب کی تھی محشور کریں گے۔ پھر جس طرح قیامت کا حشر کلی تناسخ سے مختلف چیز ہے اسی طرح اس حشر جزئی کو بھی جو قرآن کی اس آیت میں مذکور ہے تناسخ میں داخل کرنا صحیح نہیں ہو سکتا۔

۵۔ بڑی مشہور تہمت ہماری جانب سب و ستم اور دشنام طرازی یعنی گالم گلوچ کی نسبت ہے حالانکہ شیعوں کا معیارِ تہذیب و شائستگی عموماً دوسروں سے بدرجہا زیادہ ہے ہم میں بکثرت ایسے شرفا ہیں جنکی زبان بچپنے سے لیکر آخر دم تک کسی ایک دفعہ بھی فحش کے الفاظ سے آشنا نہیں ہوئی مگر ضرورت اور موقع کے لحاظ سے کسی کے افعال پر نقد و نظر تہذیب و شائستگی کے ہرگز خلاف نہیں ہے اور سب سے بڑی ضرورت اس گمراہی کا دفع کرنا ہے جو کچھ اشخاص کے ساتھ حسنِ ظن کی صورت میں صراطِ مستقیم سے علیحدگی کا باعث ہو رہی ہو۔ اس ضرورت سے قابلِ مذمت اشخاص کی مذمت قرآنِ مجید تک میں موجود ہے جس سے بڑھکر اخلاق بلند کا معیاری نمونہ کوئی تصور میں نہیں لایا جا سکتا۔ اسی طرح لعنت کو گالی قرار دینا بھی غلط ہے جبکہ قرآن میں متعدد جگہ لعنت موجود ہے ہم قرآن مجید کی پیروی میں جسطرح رسولؐ اور آلِ رسولؐ کو مستحق صلوات سمجھتے ہیں اسی طرح مخالفین رسولؐ و آلِ رسولؐ کو مستحق لعنت سمجھتے ہیں۔ رہ گیا تبرّا کا لفظ۔ اس کے اصل معنی کسی سے ذہنی اور عملی بے تعلقی کے ہیں اگر اسے گالی سمجھا جائے تو قرآن سے سورۂ برأت

کو حذف کر دیا جائے جسکی ابتدا ہی تبرّا سے ہوتی ہے۔

۶۔ ہماری طرف یہ غلط نسبت بھی دی جاتی ہے۔ کہ شیعوں کے یہاں جھوٹ بولنا جائز بلکہ واجب ہے۔ یہ بھی سراسر اتہام ہے۔ ہم جھوٹ کو گناہِ عظیم جانتے ہیں اور کاذبین کو لعنت الٰہی کا مستحق سمجھتے ہیں اور اسی لیے صحیح بخاری کی اس حدیث کو کہ حضرت ابراہیمؑ نے (معاذ اللہ) تین جھوٹ بولے، ہم بالکل غلط اور خلافِ اسلام جانتے ہیں ——

لیکن کلمۂ حق کے اظہار اور دین کے اعلان کے لیے بھی ہمارے نزدیک مناسب موقع کی شرط ہے بعض وقت افشائے راز خود مفادِ دین کے خلاف ہوتا ہے۔ اسی طرح جان و آبرو کی حفاظت بھی ایک مہتم بالشان اسلامی فریضہ ہے جو اسی وقت نظر انداز کیا جا سکتا ہے کہ جب دینِ مبین کا تحفظ قربانی پر موقوف ہو گیا ہو۔ لہٰذا جب تک ایسی قربانی کا محل پیدا نہ ہو اس وقت تک حفاظتِ نفس کے لیے عقیدۂ حق کو پردہ میں رکھنا درست ہے۔ جس کی تعلیم قرآن میں موجود ہے۔ الا من اکرہ و قلبہ مطمئن بالایمان اور دوسری جگہ صاف ارشاد ہوا۔ الا ان تتقوا منھم تقٰۃ تمام مفسرین متفق ہیں کہ یہ دونوں آیتیں تقیہ کے بارے میں ہیں، پھر اس قرآنی تعلیم کے ہوتے ہوئے تقیہ کو جھوٹ کہنا کیا خود قرآن اور اسلام کے ساتھ ناروا گستاخی نہیں ہے؟ بیشک جب تحفظ دین قربانی پر موقوف ہو جائے تو پھر تقیہ کا محل نہیں رہتا۔ اور بسا اوقات تقیہ حرام ہو جاتا ہے۔ کربلا میں حضرت امام حسین علیہ السلام کی قربانی اس کی بیّن مثال ہے جس کی یادگار بمنشائے الٰہی ہم نے اب تک قائم رکھی ہے۔

۷۔ ہم پر یہ بھی اتہام ہے کہ ہم (معاذ اللہ) تعزیہ کا بت بناتے ہیں اور اسے پوجتے ہیں مگر حقیقت امر

یہ ہے کہ کوئی شیعہ تعزیہ کو مستحق پرستش نہیں سمجھتا۔ وہ صرف ضریح امام حسینؑ کی تشبیہ ہے جو بطور یادگار بنائی جاتی ہے اور اس نسبت کی بنا پر اس کا احترام کیا جاتا ہے اگر یہ احترام داخل پرستش ہو جائے تو پھر مسجد اور کعبہ اور قرآن سب ہی کا احترام پرستش قرار پائیگا اور شرک میں داخل ہوگا۔

۸۔ ایک افترا اور بہتان ہمارے خلاف یہ ہے کہ شیعہ عید نوروز اور عید غدیر پر (معاذ اللہ) حرام کو حلال قرار دے لیتے ہیں۔ حاشا و کلا والی اللہ المشتکیٰ۔ حقیقت یہ ہے کہ ہمارے یہاں عید نوروز اور عید غدیر میں مثل عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے نمازیں اور دعائیں وارد ہیں جو ذکر الٰہی پر مشتمل ہیں اور ان متبرک دنوں میں ہمارے یہاں خیر و خیرات کا اہتمام دوسرے عام دنوں سے زیادہ کیا جاتا ہے اسکے خلاف جو بھی کہا جائے وہ افترا و بہتان کے سوا کچھ نہیں۔

۹۔ کہا جاتا ہے کہ شیعوں کے یہاں حضرت امام حسینؑ کی عزاداری کو کافی سمجھا جاتا ہے۔ اور نماز و روزہ کسی چیز کی ضرورت نہیں سمجھی جاتی۔ یہ بھی غلط اور بالکل غلط ہے۔ ہم نماز و روزہ کے وجوب کو ضروریات دین سے جانتے ہیں اور اسکے منکر کو کافر مانتے ہیں اور محبت اہل بیتؑ کا حقیقی تقاضا احکام الٰہی کی اطاعت ہی کو سمجھتے ہیں۔

اسکے علاوہ اور رکیک و بے بنیاد افواہیں کتنی ہیں جو صرف نفرت پیدا کرنے کیلئے ہم پر عائد کر دی گئی ہیں۔ مثلاً شیعہ اہلسنت کو جو پانی وغیرہ دیتے ہیں وہ تھوک کر دیتے ہیں یا تازہ بتازہ تہمت جو پاکستان اور بالخصوص کراچی کے کچھ حلقوں میں چلی ہے کہ ہر سال شیعہ کسی سنّی کو حلال کرتے ہیں اور ذوالجناح کی چادر پر جو سرخ دھبے ہوتے ہیں یہ اسی خون کے چھینٹے ہوتے ہیں۔ یہ ایسی لچر، لوچ اور بے بنیاد باتیں ہیں جن کی رد کسی علمی رسالہ کے شایان شان نہیں۔

اللہ مسلمانوں کو توفیق عطا کرے کہ وہ حق پر صرف حق کے معیار سے غور کریں اور ایسی بیہودہ بکواسوں پر اعتنا نہ کریں جنہیں اہلِ باطل صرف حق سے متنفر بنانے کے لیے تصنیف کیا کرتے ہیں۔ واٰخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

ناشر:۔ جنرل سیکرٹری امامیہ مشن پاکستان۔ لاہور۔